© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکتہ چینی کی ایک رد بیدار ہوئی۔ یہی رد تھی جس نے نظام کلیسا کو پھاڑ کر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے دو فرقوں میں تقسیم کر دیا۔

کلیسا کے مرکز روم نے اس تنقیدی تحریک کی روک تھام کے لئے وہ جابرانہ نظام قائم کیا جو کلیسا کے خلاف کھڑے ہونے والے ہر شخص کو زندہ جلا دینے تک سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ یہ دینی و فکری استبداد کی وہ بدترین شکل تھی جس نے نہ صرف کلیسا کے خلاف نفرت کا پارہ اونچا کر دیا بلکہ جس دین کا کلیسا علمبردار تھا اس سے بھی نفرت کی آگ کتنے ہی دلوں میں بھڑک اٹھی اور یہاں سے یورپ میں لادینیت کی داغ بیل پڑی۔

الغرض کلیسا کا جبر و استبداد اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا اور اُسے اپنے تحفظ کے کچھ اور طریقے سوچنے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ دوسرا طریق کار تھا جس نے استشراق کی داغ بیل ڈالی۔ یعنی یہ محسوس کر کے کہ اس مخالفانہ رد کا سرچشمہ عالم اسلام یعنی مشرق ہے۔ اپنے آدمیوں کو مشرقی زبانیں، خاص کر عربی سیکھنے اور مشرقی و اسلامی علوم کا مطالعہ کرنے پر لگانے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ ان کا توڑ کیا جا سکے، چنانچہ اہل کلیسا ہی تھے جنہوں نے استشراق (مشرقی علوم اور زبانیں سیکھنے) کا آغاز کیا۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا اُس وقت اس لئے ہو بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس وقت یورپ میں تنہا یہی پڑھنے لکھنے والا طبقہ تھا۔ یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں پر اسی کا راج تھا۔ چنانچہ یہ لوگ عربی زبان کی تحصیل پر لگ گئے اور عربی زبان و علوم کے مطالعہ کا اولین مرکز ویٹیکن (پاپائے روم کے دارالسلطنت) میں قائم ہوا۔ جہاں سے مسلمان فقہاء اور پروٹسٹنٹوں سے مناظرہ کرنے والے لوگ نکلنا شروع ہوئے۔

ویٹیکن سے آغاز کے بعد یہ دائرہ وسیع کیا گیا اور دوسرے درجہ کے کلیساؤں کے مدارس میں بھی عربی اور بعض دوسری مشرقی زبانیں شامل نصاب کر دی گئیں۔ اسپین، فرانس اور اٹلی کی یونیورسٹیوں میں مستقل شعبے السنۂ شرقیہ کے قائم کئے گئے ان میں پیرس یونیورسٹی کو خاص طور سے اس تعلیم کا سب سے بڑا مرکز بنایا گیا۔

چودھویں صدی عیسوی میں پاپائے روم پنجم نے اس دائرے کو اور وسعت اور اہمیت دی اور عربی، عبرانی اور کلدانی زبانوں کے لئے آکسفورڈ اور بولون یونیورسٹی میں بھی مستقل شعبے قائم کئے جانے کے احکامات جاری کئے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ان دونوں یونیورسٹیوں نیز پیرس یونیورسٹی اور ویٹیکن یونیورسٹی میں بھی ان تینوں زبانوں کے دو دو پروفیسر مقرر ہوئے۔ ان کے ذمہ تعلیم کے علاوہ ان زبانوں کے متون کا ترجمہ بھی کرنا تھا۔

بہرحال ہمیں یہ بتانا ہے کہ استشراق کی تحریک ویٹیکن سے شروع ہوئی اور مستشرقین کے پیش رو اہل کلیسا اور مسیحی علماء تھے۔ یہی ایک عرصہ تک اس تحریک کے نگراں اور سربراہ کار رہے۔ اور دوم یہ کہ ان کا مقصد کلیسا کا دفاع اور اُن لوگوں کا توڑ کرنا تھا۔ جو اسلامی تہذیب کی روشنی سے فکر و خیال کی ایک نئی لہر پا کر کلیسا کے فکری استبداد اور لامحدود اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی بنا پر استشراقی تحریک میں عربیات کا مطالعہ ایک عرصہ تک ان ہی محدود مقاصد کے دائرے میں بند رہا۔ چنانچہ عربی زبان کو بجائے ایک ایسی مستقل تہذیب کی زبان کے جس نے یورپ کو علوم و افکار کا ایک نیا سرمایہ عطا کیا تھا محض ایک سامی زبان کی حیثیت سے پڑھایا جاتا تھا۔ یورپ میں انقلاب آگیا۔ عالم اسلام اپنی بالا تر حیثیت کھو کر یورپ کے پنجۂ استعمار میں گرفتار ہوگیا۔ مگر مستشرقین کا مطالعۂ عربیات اسی انداز پر چلتا رہا۔

اس میں تبدیلی اس وقت آئی جب عالم اسلام میں استعمار کے پنجہ سے نکلنے کی تحریک شروع ہوئی اور ایک نئے انقلاب کے آثار رونما ہونے لگے۔ اس مرحلہ پر آکر ضرورت محسوس کی گئی کہ اس مطالعہ کا نہج بدل کر اسے نئے تقاضوں کے مطابق کیا جائے۔ یہاں سے مستشرقین کے کام کا دائرہ وسیع ہوا۔

مستشرقین کا مطالعہ عربیات و اسلامیات جہاں تک عربی اور اسلامی موضوعات کے سلسلے میں مآخذ کا استیعاب کرنے، مواد و معلومات جمع کرنے اور انہیں ترتیب و تنسیق سے آراستہ کرنے کا تعلق ہے، مستشرقین کا کام بلاشبہ اس معاملے میں لائق تحسین ہے اور اس کے دو خاص سبب ہیں۔ ۱۔ یورپ کی علمی ترقی جس نے ایسے کاموں کا ایک خاص سلیقہ اُسے عطا کر دیا ہے۔ ۲۔ یہ کہ عالم اسلام پر اُس کے تسلط نے تمام علمی اور ثقافتی خزانے بھی اس کی دسترس میں کر دیے۔ اس حاکمانہ دسترس کے ماتحت اس نے مستشرقین کے ایماء پر عالم اسلام کی بیش قیمتی دولت بھی جہاں تک ہوسکا لوٹ کر اپنے گھر میں بھر لی۔ ہم بغیر کسی شبہ کے کہہ سکتے ہیں کہ عربی اور اسلامی کتب خانہ کے ۹۰ فیصدی قیمتی اور اہم مخطوطات اس لوٹ میں یورپ اور امریکہ کے کتب خانوں کی زینت بن گئے۔ خدا بھلا کرے خلافتِ عثمانیہ کا کہ اُسے اس صورت حال کا احساس ہوا تو اپنے آخری دنوں میں اس نے اپنے محروسہ ممالک سے مخطوطات کا ذخیرہ ترکی میں منتقل کر لیا اور اس طرح کوئی ۱۰ فیصدی ذخیرہ بچ رہا۔

بہر حال علمی ترقی اور مطالعہ و استفادہ کے ترقی یافتہ طریقوں کی دریافت کے علاوہ مسلمانوں کے علمی ذخیرے پر یہ غاصبانہ قبضہ تھا جس کی بدولت مستشرقین نے اسلامی اور عربی موضوعات پر اپنے کاموں کے سلسلے میں جمع و ترتیب کا بہت اعلیٰ معیار پیش کیا۔ اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ ہم اس معاملے میں ان کے نمونے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جہاں تک اس مطالعہ میں ان کے اپنی آراء داخل کرنے اور اپنے زاویۂ نظر سے اسلامیات اور عربی زبان کے مسائل کی تشریح و تفسیر کرنے کا تعلق ہے اُسے ہم علمی لحاظ سے اس قدر قابل تنقید پاتے ہیں کہ مجموعی اعتبار سے ان کے کاموں کا کوئی علمی وزن نہیں رہتا۔ کیونکہ:

ا۔ کسی بھی علمی یا تاریخی مسئلہ پر اظہار رائے میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے ارباب بحث و نظر کے یہاں حسب ذیل شرائط مسلم ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ موروثی تعصب جو ہمیں اسلام اور پیروان اسلام سے ہے زمانہ دراز سے جمع ہوتا آتا ہے۔ اور ہماری فطرت کا ایک جزو ہو گیا ہے۔ ہمارے یہ تعصبات اس قدر جبلی اور اسی قدر شدید ہیں (اگرچہ بعض وقت وہ دبا کیوں نہ دئے جائیں) جیسے یہودیوں کے تعصبات عیسائیوں سے۔

اس موروثی تعصب میں جو ہمیں اسلام کے برخلاف ہے۔ اگر ہم اس دوسرے تعصب کو شریک کر لیں جسے ہماری کم بخت تعلیم نے سالہائے دراز سے ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے کہ کل قدیم علوم وادب صرف یونان وروم سے منشعب ہوتے ہیں تو بخوبی ہماری سمجھ میں آجائے گا۔ کہ تمدن یورپ کی تاریخ میں عربوں کے حصے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔

بعض اشخاص کو اس خیال سے ہمیشہ شرم آتی ہے کہ عیسائی یورپ کی وحشیانہ معاشرت سے نکلنے کا باعث ایک کافر قوم تھی۔ یہ خیال اس قدر دردناک ہے کہ اس سے انکار کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔[1]

ایک نامور مستشرق ہی کے اتنا کچھ کہہ دینے کے بعد ہمیں اپنی طرف سے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ البتہ موقع کی مناسبت اتنے ایک اضافے کا موقع فراہم کرتی ہے کہ مستشرقین کی ایک اچھی خاصی تعداد ہے جس کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت ان پر پوری طرح کھل گئی۔ مگر یورپین گھمنڈ کی نفسیاتی گرہ نے حق کو دیکھ لینے کے باوجود اسے مان لینے کی جرأت اس میں نہ پیدا ہونے دی۔ فرانسیسی مستشرق رینان کا قول ہے۔ جو گستاؤلی بان ہی نے تمدن عرب میں نقل کیا ہے کہ:

"میں کبھی کسی مسجد میں نہیں داخل ہوا مگر یہ کہ ایک لرزہ خیز ہیبت کی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی اور بڑی حسرت میں نے محسوس کی کہ میں مسلمان نہیں ہوں"۔

یہ قرآن کی زبان میں "سمعنا وعصینا" ہی کی تو ایک مثال ہے۔

۳- مستشرقین اپنی حریت فکر کے ساتھ جودت عقل و فہم کے بھی دعویدار ہیں جیسا کہ مسلم عقلیت سے متعلق مسٹر گب کے ریمارک سے اوپر ظاہر ہو چکا۔ مگر وہ اسلامیات کے مطالعہ میں جس عقلیت سے کام لیتے ہیں اس کا حال یہ ہے کہ وہ حدیث و شریعت کا مطالعہ کرتے ہیں اور نتائج مطالعہ پیش کرتے ہیں تو ماخذ اور مصدر بناتے ہیں۔ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی کو، ابن عبد ربہ کی کتاب العقد الفرید کو اور کہیں کہیں ان سے بھی زیادہ عجیب قسم کے مصادر و مآخذ کو جن کا کوئی پایہ ان مباحث میں نہیں۔ پھر ہر فن کی کچھ اصطلاحات اور رموز و قواعد ہوتے

---

[1] تمدن عرب (اردو) مطبوعہ آگرہ (۱۸۹۸ء) ص ۲۳-۵۲۲۔ نوٹ: یہ ترجمہ ہم نے مضمون نگار کی دی ہوئی عربی عبارت سے کرنے کے بجائے گستاؤلی بان کی اصل کتاب کے اردو ترجمہ از مولانا سید علی بلگرامی سے نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جن کی حقیقت سے آگاہ نہ ہونے یا ان کے برتنے کی تربیت نہ پانے کی صورت میں آدمی صحیح ماخذ تک پہنچنے کی صورت میں بھی صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا، چنانچہ یہ حدیث وفقہ کے مباحث میں معتمد ماخذ سے بھی کام لیتے ہیں تو انہیں روایتوں کے مراتب میں فرق صحیح اور موضوع میں تمیز اور راجح و مرجوح میں ترجیح کے قواعد سے آگاہی نہیں ہوتی اس لئے عجیب عجیب گل کھلاتے ہیں۔

اسی طرح تاریخ اسلام میں ان کی عام طور پہ دوڑ الامامۃ والسیاسۃ، بدائع الظہور، وقائع الدہور، بلکہ الف لیلۃ ولیلۃ جیسی کتابوں تک ہے۔ ابن جریر، ابن کثیر اور ابن اسحاق کی کتابوں کو ہاتھ لگاتے ہیں تو وہاں بھی سقیم وصحیح کے فرق سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

سیدھی سی بات ہے کہ ایک منصف مزاج اور نیک نیت آدمی اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کبھی ابوجہل کے پاس نہیں جائے گا۔ ٹھیک جس طرح مریم علیہا السلام کے بارے میں کسی کو صداقت کی تلاش ہو تو وہ یہود کا رُخ اس کام کے لئے نہیں کرے گا، لیکن یہ گرانقدر اور بالاتر عقلیت کے دعویدار اسلامیات کے معاملے میں سیدھی سادی عقل کے تقاضوں کی بھی پروا نہیں کرتے

ہم ہی نہیں کہہ رہے، خود آج کے ایک مستشرق کا اعتراف ہے کہ اسلامی موضوعات پر فیصلے صادر کرنا ان حضرات کا اپنی حد سے تجاوز ہے جس کے نتیجے میں شترگربگی کا ظہور لازم ہے۔ مصطفےٰ السباعی مرحوم نے اپنی کتاب "السنۃ ومکانتہا فی التشریع" میں مسٹر آربری (صدر شعبۂ مطالعہ اسلامیات وعربیات کیمبرج یونیورسٹی) کا یہ قول نقل کیا ہے جس کے مخاطب خود سباعی مرحوم ہی تھے۔ کہ:

"ہم مستشرق اسلام سے متعلق اپنی بحثوں میں اکثر غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہم کو ان مباحث میں نہیں پڑنا چاہئے، یہ میدان آپ لوگوں ہی کا ہے۔"

مستشرقین کے حوالوں کی کمزوری یا بے محلی اور علم وفہم کی نارسائی کے سلسلے میں مثالیں بہت دی جا سکتی ہیں۔ لیکن میں یہاں دو مثالوں پر اکتفا کروں گا۔

۱۔ ہندوستان سے شائع ہونے والے "الثقافۃ الاسلامیۃ" نامی مجلہ میں کتب مغازی اور ان کے مؤلفین پر اپنے ایک سلسلۂ مضامین میں جرمن مستشرق جوزف ہورووتس نے ایک جگہ ضمنی طور پر مسلم علماء وفقہا اور ذوقِ شعری پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اور اغانی میں ایک واقعہ آتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ (علماء وفقہا کی) یہ جماعت اس معاملے میں کتنی صاحب ذوق واقع ہوئی تھی چنانچہ عبداللہ بن عمر کی روایت سے صاحب اغانی رقمطراز ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ حج کے لئے چلا تو راستہ میں ایک حسین عورت بھی حج کو جاتی ہوئی ملی جو شہوت انگیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باتیں کر رہی تھی۔ میں نے اپنی ناقہ اُس کے قریب کی اور کہا کہ او خدا کی بندی تو حج کو جا رہی ہے، تجھے خدا کا خوف نہیں۔؟ اس پر اُس نے اپنا چہرہ بالکل کھول دیا جو سورج کو شرماتا تھا اور یوں گویا ہوئی کہ چچا جان! میں اُن عورتوں میں سے ہوں جن کے بارے میں عرجی نے کہا ہے کہ ؎

من اللاء لم یحججن یبغین حسبۃً ولکن لیقتلن البریٔ المغفلا

(ان عورتوں میں کہ جو رضائے الٰہی کے لئے حج کو نہیں جاتیں بلکہ ان کا مقصدِ سفر نیک اور سادہ دل لوگوں کی متاعِ دل و جان کو لوٹنا ہوتا ہے۔)

ابن عمرؓ کہتے ہیں: کہ اس پر میں نے کہا اچھا جانے دو، میں خدا سے دعا کروں گا کہ ایسے چہرے کو آگ کا عذاب نہ دے۔"

ہم اپنے علماء و فقہاء کے متعلق شعری ذوق سے منکر نہیں، یقیناً ان میں سے بہت سے بڑا معیاری ذوق رکھتے تھے۔ مگر جس نوعیت کا یہ واقعہ مذکور ہوا ہے۔ اس کے لئے اغانی کی روایت پر اعتماد ایک غیر ذمہ دار آدمی ہی کر سکتا ہے۔ ایک طرف عبداللہ بن عمرؓ کی وہ شخصیت ہے جس کا مخصوص مزاج تقویٰ و اتباعِ سنت تاریخ اسلام کی ایک مسلّم اور متفق علیہ حقیقت ہے دوسری طرف یہ اُس سے جوڑ نہ کھانے والا واقعہ۔ علاوہ ازیں یہ بھی پیش نظر رکھئے کہ علماء اسانیدو رجال میں بعض حضرات صاحب اغانی (ابوالفرج اصفہانی) کے اتنے سخت ناقد ہیں کہ اُسے "اکذب الناس" بتاتے ہیں۔[1]

دوسری مثال گولڈ زیہر کی ہے۔ ان صاحب نے اپنی کتاب "تفسیر اسلامی کے مختلف مذاہب" میں معتزلہ کے اس اندازِ تاویل پر کلام کرتے ہوئے، کہ وہ کس طرح اپنے اعتقادات کا تحفظ تفسیر میں کیا کرتے تھے، شریف مرتضیٰ معتزلی کی مثال دی ہے کہ آیت وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔ سے جمہور کی تفسیر کے مطابق جو خدا کی رویت اور قائلین تشبیہ کی دلیل نکلتی ہے اس کے مقابلے میں وہ لفظ "الی" حرف جر ماننے کی بجائے اَلآ بمعنیٰ نعمت کی جمع قرار دیتے تھے۔ اور ترجمہ یہ کرتے تھے کہ: "وہ لوگ اس دن اپنے رب کی نعمتیں دیکھ رہے ہوں گے۔" یہ ہے شریف مرتضیٰ کی ایک تاویل کے سلسلے میں مسٹر گولڈ زیہر کی تشریح کہ یہاں اِلیٰ حرف نہیں بلکہ اسم بمعنیٰ نعمت ہے۔ شریف مرتضیٰ نے نہ اِلیٰ کو الآ کی جمع کہا تھا۔ اور نہ وہ کہہ سکتے تھے۔ کیونکہ اِلیٰ اور اَلآ دونوں واحد ہیں جن کی جمع آلاءُ آتی ہے۔ لیکن مسٹر گولڈ زیہر جو علوم اسلامیہ کے اندر دستگاہ رکھنے والے مستشرقین میں ممتاز ترین مانے جاتے ہیں، اُن کے علم اور فہم دونوں کا یہ حال تھا کہ جو بات ہمارے یہاں کا ایک کم عمر طالب علم بھی قاموس دیکھ کر جان سکتا ہے اسے وہ نہ جان سکے اور غلط بحث کر گئے۔ (الفرقان)

---

[1] میزان الاعتدال مطبعۃ الحلبی بمصر۔ ۳: ۱۲۳

© rasailojaraid.com